سلسلہ ''قصص ہند'' (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر نسیمہ رحمٰن، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Qasas-e-Hind, written in Urdu prose during second half of 19th century, is such a popular serial which was arranged under the patronage of education department for educational purposes. Its several editions themselves are the clear proof of its popularity. It is for the first time that all the three parts; first, second and third in array of Qasas-e-Hind are discussed from critical point of view in this piece of writing. Topic and style has beautified the theme evolving Urdu prose in Lahore during colonial era with literary style on every level. From this stand point, the study of this popular serial is not only inevitable but also interesting.

انیسویں صدی کے نصف دوم میں ''قصص ہند'' اُردو نثر میں تحریر کیا گیا ایک مقبول سلسلہ ہے جو تعلیمی اغراض و مقاصد کی خاطر محکمہ تعلیم کی سرپرستی میں ترتیب دیا گیا اس کے متعدد ایڈیشن اس کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ''قصص ہند'' کا حصہ اوّل اور سوم ماسٹر پیارے لال آشوب جبکہ حصہ دوم مولانا محمد حسین آزاد نے تحریر کیا۔ اس مضمون میں تحقیقی و تنقیدی حوالے سے پہلی بار ''قصص ہند'' کے تین حصوں بہ ترتیب اوّل، دوم اور سوم کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ موضوع اور اسلوب ہر دو سطح پر ایسی درسی کتب نے کلونیل عہد کے لاہور میں ارتقا پذیر اُردو نثر کو ادبی اسلوب سے مزین کیا۔ جہاں ان سے محکمہ تعلیم کی نصاب میں شامل درسی نثری کتب کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں کلونیل عہد کی نثر کے نمونے بھی ایسی کتابوں کی صورت میں دستیاب ہو جاتے ہیں جنھوں نے اُردو نثر کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے اس مقبول سلسلے کا مطالعہ ناگزیر ہی نہیں بلکہ دلچسپ بھی ہے۔

قصص ہند (حصہ اوّل): ماسٹر پیارے لال آشوب کی مرتب کردہ یہ درسی کتاب میجر ہالرائیڈ ڈائریکٹر تعلیمات ممالک پنجاب کے حکم سے تین حصوں میں لکھی گئی۔ حصہ اوّل اور حصہ سوم کا کام ماسٹر پیارے لال آشوب کے سپرد ہوا جو اس وقت پنجاب بک ڈپو میں قائم مقام کیوریٹر کے فرائض انجام دے رہے تھے جبکہ جلد دوم محمد حسین آزاد نے لکھی۔ ''قصص ہند'' کا سن تصنیف معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ پہلے پہل حصہ دوم کے ساتھ ۱۸۷۲ء میں سرکاری مطبع لاہور سے شائع ہوئی۔ جس کا تذکرہ پنجاب گورنمنٹ گزٹ ۱۲ ستمبر ۱۸۷۲ء کی قابل فروخت کتب میں بھی ملتا ہے۔ بعدازاں اس کی متعدد اشاعتیں اس بات کا ثبوت

ہیں کہ یہ بھی ایک مقبول نصابی کتاب کا درجہ رکھتی تھی۔ ''قصص ہند (حصہ اوّل)'' دیسی زبانوں کے مدارس کی چوتھی جماعت کے نصاب میں شامل تھی۔ ''قصص ہند (حصہ اوّل)'' کی ترمیم شدہ چوتھی اشاعت کے سرورق پر یہ الفاظ مرقوم ہیں:

قصص ہند

مرتبہ

لالہ پیارے لال صاحب قائمقام کیوریٹر سنٹرل بک ڈپو پنجاب

حسب الحکم

جناب میجر ہالرائیڈ صاحب بہادر ڈائریکٹر مدارس ممالک پنجاب

ترمیم ہوکر

لاہور کے سرکاری مطبع میں باہتمام

ماسٹر پیارے لال قائمقام کیوریٹر کی چھپا

۱۸۷۴ء

اس سررشتہ کی بے اجازت کوئی نہ چھاپے۔[۱]

مذکورہ اشاعت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ ۱۸۷۲ء کی ترمیم شدہ اشاعت ہے لیکن یہ ترمیم کس اشاعت کے بعد ہوئی اس کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ ۱۸۷۴ء کی اشاعت کا نسخہ ہی دستیاب ہو پایا ہے۔ اس سے قبل کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ ۱۸۷۴ء کے بعد اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوئی ہوگی۔ اس کا سراغ ۱۸۷۸ء کی اشاعت سے ملتا ہے۔ البتہ سرورق پر ''کیوریٹر کا قائمقام'' ہونا نہیں لکھا۔ ۱۸۷۸ء کی لوح کی عبارت درج ذیل ہے:

قصص ہند

حصہ اوّل

مرتبہ ماسٹر پیارے لال کیوریٹر سنٹرل بک ڈپو پنجاب

حسب الحکم

جناب میجر ہالرائڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر مدارس ممالک پنجاب وغیرہ

لاہور

کے سرکاری مطبع میں ماسٹر پیارے لال کیوریٹر کے اہتمام سے چھپا

۱۸۷۸ء

اس سررشتہ کی بے اجازت کوئی نہ چھاپے۔[۲]

''قصص ہند'' (حصہ اوّل) کی ابتداء میں قدیم ہندوستان کے سرسری تذکرہ کے ساتھ رام چندر جی، کورو، پانڈو اور سکندر اعظم یونانی کا نسبتاً تفصیلی ذکر کیا ہے۔ ابتدائی چند صفحات پر تاریخ ہند کا خلاصہ اس عمدگی اور دلچسپی سے بیان کیا گیا ہے کہ مبتدی اور منتہی دونوں کے لیے یکساں دلچسپی کا عنصر موجود ہے۔ اس میں پہلے ہندوؤں کی نسل اور ذاتوں کا بیان ہے۔ پھر

ہندوؤں کی علمی اور ذہنی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے ہندوستان میں مختلف علوم وفنون مثلاً علم ہیئت، ریاضی، طب اور شاعری کو درجہ کمال تک پہنچایا اور سنسکرت زبان کو نکھارا لیکن آخر میں بتاتے ہیں کہ یہ تمام کمالات ایک حد تک پہنچ کر رُک گئے اور پھر ان میں تنزل آتا چلا گیا۔ اس کے بعد فارس کے بادشاہ دارا گشتاسپ اور سکندر اعظم کے حملے کا ذکر آتا ہے۔ عربوں کا سندھ اور مامون الرشید کا ہندوستان پر حملہ کرنا، محمود غزنوی کا حملہ، مسلمان بادشاہوں کے حالات، شہاب الدین غوری، قطب الدین ایبک، خاندان خلجی اور تیمور کے بعد مغلیہ دور کا ذکر آتا ہے۔ ''قصص ہند'' (حصہ اوّل) میں پیارے لال آشوب نے اُردو نثر میں فصیح وسلیس، شستہ، صاف اور مؤثر زبان کے استعمال کو رواج دیا۔ کتاب کو پڑھنے سے یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ زبان آج سے ایک سوسینتیس سال پہلے کی زبان ہے۔ تاریخی واقعات کا بیان، داستانوی طرز پر اس طرح کرتے ہیں گویا ہم ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جس میں تحیر وتجسس کا عنصر بدستور موجود رہتا ہے مثلاً:

> ''اگلے زمانے میں شہر دہلی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر شمال مشرق کی جانب گنگا کے کنارے ایک شہر ہستناپور آباد تھا اور وہاں چندربنسی خاندان کے راجہ راج کرتے تھے۔''[۳]

> ''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی سوداگر ایک نادر گھوڑا فیلقوس کے پاس لایا اور ۲۵ ہزار روپیہ اس کا مول کیا۔ بادشاہ سکندر اور اپنے سرداروں کو ساتھ لے کر گھوڑے کے امتحان کے واسطے میدان میں گیا۔''[۴]

''قصص ہند (حصہ اوّل) کی سب سے بڑی خوبی اس کا اسلوب بیان ہے جس نے تاریخ جیسے خشک موضوع کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ اس اسلوب نگارش کو برتنے کی وجہ یہ تھی کہ طلباء تاریخ کو ذوق وشوق سے پڑھیں۔ بیان کی خوبصورتی کے اسلوب کے تمام لوازم کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے طلباء کے ذہنی معیار سے ہم آہنگ کیا گیا ہے۔ مثلاً سکندر اعظم کی ایشیائی فتوحات کو محاکاتی اسلوب میں کس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے ملاحظہ ہو:

> ''منجدھار میں پہنچ کر دیوتاؤں اور دیویوں کے نام پر ایک سانڈ قربان کیا اور جب کنارہ نزدیک آیا تو اپنا نیزہ خشکی پر پھینک دیا۔ اور اس سے یہ شگون لیا کہ ایشیاء پر قبضہ ہوگیا کنارے پر اتر کر شہر ٹرائے کی راہ لی اور وہاں پہنچ کر ان دلاوروں کے مقبروں کی جنہوں نے اس میدان میں جانبازیاں کی تھیں جن کے کارناموں کی تفصیل ہومر کی کتاب الئیڈ میں مندرج ہے۔ زیارت کی اس عرصے میں داراشاہ فارس کے جرنیل اس کے روکنے کے واسطے لشکر جرار لے کر دریائے گرینی کس پر آ پڑے جب سکندر وہاں پہنچا تو دریا کا عمق اور زور زیادہ دیکھا اور ساحل جس پر دشمن کی فوج پڑی تھی بہت ناہموار پایا۔ شام بھی نزدیک تھی۔ اس سبب سے ایک جرنیل نے جو بڑا آزمودہ کار تھا اس سے کہا کہ اس وقت دریا کے پار جانا اور حملہ کرنا مناسب نہیں مگر سکندر نے کچھ خیال نہ کیا اور یہ جواب دیا کہ ہلس پونٹ کو عبور کر کے اس چھوٹے سے دریا پر اٹکنا اچھی خال نہیں ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور سواروں کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ سامنے سے دشمن نے تیر برسانے شروع کیے اور دریا کے تلاطم نے بھی اس کو کئی بار غوطے دئے مگر وہ دیوانوں کی طرح جوش میں بھرا ہوا آگے بڑھا چلا گیا۔ کنارے پر پہنچ کر اس کو صف آرائی کی مہلت نہ ملی اور دونوں فوجیں نمٹ پٹ ہوگئیں۔ سکندر کی سپر اور مرصع کلغی سے اس کو پہچان کر دشمن

کی فوج کے ایک غول نے آ گھیرا اور دو جرنیلوں نے نیزے اور تیر کے اس پر کئی وار کیے ان حملوں میں اس کا جوش جوڑ کے مقام پر کھل گیا اور خود بھی چھلنی ہو گیا مگر جسم کو کچھ آسیب نہ پہنچا۔ اور اس نے دونوں جرنیلوں کو اپنے ہاتھ سے خاک میں ملایا۔ اتنے ہی میں سکندر کی باقی فوج دریا سے گذر کر آ پہنچی اور اس کو دیکھ کر فارس کی فوج بھاگ نکلی۔ اس معرکے میں یونانیوں نے جو فارس کی فوج میں داخل تھے جان توڑ کر مقابلہ کیا اور شجاعت کی داد دی۔ مگر آخر کو کھیت سکندر ہی کے ہاتھ رہا۔''۵

چونکہ یہ کتاب درس نصاب میں شامل تھی اس لیے اس میں بھائی چارے کا اخلاقی درس بھی دیا گیا ہے اس حوالے سے انوکھا طرز اختیار کرتے ہوئے انگریزوں اور ہندوؤں کو ایک ہی نسل یعنی آریائی نسل سے منسوب کیا ہے۔ جس کا مقصد انگریزوں کے بارے میں پائے جانے والے شکوک وشبہات، اختلافات اور اجنبیت کو دور کرنا، مفاہمت کی فضا سازگار بنانا اور ان پر اعتماد دلانا بھی ہوسکتا ہے۔ اس طرح بھی انگریز حکمرانوں کے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے معاونت کی گئی۔ اس سے حکام اور مقامی لوگوں بالخصوص آنے والی نسل کی مغائرت کو کم کرنے اور انہیں بہترین مددگار بنانے میں مدد ملی ہو گی اور اس کام کے لیے سب سے بہترین ذریعہ یہی درسی کتب تھیں۔ مثلاً کتاب کی ابتداء ہی میں رواں اور سلیس اسلوب نگارش میں بھائی چارے کا اخلاقی درس کا انداز ملاحظہ ہو:

''فرنگستان میں جتنی نامور قومیں اگلے زمانے میں گذریں اور جو مشہور قومیں اب موجود ہیں ان کی اور ہندوؤں کی نسل کا سلسلہ ایک ہی اصل سے جا ملتا ہے۔ یعنی اہل یونان اور اہل روما اور اہل جرمنی اور انگریز اور فرانسیسی اور ہندو سب ایک ہی قوم کی شاخیں ہیں اور جو فرق ان میں اب پایا جاتا ہے وہ آب و ہوا کے اختلاف اور مختلف ملکوں میں آباد ہونے کا نتیجہ ہے۔ مگر ہندوؤں کو اہل فارس کے ساتھ سب قوموں سے زیادہ مناسبت ہے۔ جن لوگوں نے سنسکرت اور فارس کی قدیم زبان بہت تحقیق کے ساتھ حاصل کی ہے ان کو ہندوؤں اور فارسیوں کے ایک ہونے میں کچھ کلام نہیں۔ زبان کے علاوہ ان دونوں قوموں کے قدیم مذہب میں بھی بہت مشابہت پائی جاتی ہے اور دونوں کا رنگ ڈھنگ بھی ایک ہی سا ہے اوپر کے بیان سے صاف پایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں اور انگریزوں کا اجتماع ایک خاندان کی مدت کی دو بچھڑی ہوئی شاخوں کا ملاپ ہے اور دونوں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''۶

''قصص ہند'' (حصہ اوّل) چونکہ اس زمانے میں نصابی کتب میں شامل تھی اس لیے نہایت آسان زبان اور دلچسپ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ پڑھنے کو تاریخی واقعات نئے نہیں بلکہ وہی پرانے ہیں لیکن طرز بیان ایسا اپنایا گیا ہے جس سے تاریخ جیسا خشک مضمون بھی دلچسپ بن گیا ہے۔ تاریخی واقعات کے ضمن میں حسب موقعہ جذبات نگاری سے بھی کام لیا ہے مثلاً ذیل کا یہ منظر ملاحظہ ہو جس میں کورو کی خوشی اور دروپدی کی آہ وزاری کو بیان کیا جا رہا ہے:

''غرض کھیل شروع ہوا اور دنا کے پاسے نے پھر دریودھن ہی کو جتایا کورو خوش ہو ہو کر ناچنے اور بغلیں بجانے لگے اور پانڈو شرمندہ ہو مرگ چھالا پہن بی بی کو ساتھ لے بنوں کو روانہ ہوئے دروپدی بہت روئی اور بال بکھیر کر یہ کہتی چلی کہ آج سے یہ بال یونہی بکھرے رہیں گے اور اس وقت سمیٹے گے کہ

جب بھیم اپنے ہاتھ دو ہساسن کے خون سے رنگے گا۔ اور انہی ہاتھوں سے ان کو باندھے گا‘‘ ۷

پیارے لال آشوب نے جذبات نگاری کے ساتھ جابجا منظر نگاری کی بھی نہایت عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔ اس زمانے میں جب اُردو نثر فروغ پا رہی تھی اس میں محاکاتی اسلوب کے ذریعے جو ایک نیا انداز نظر آتا ہے وہ اُردو نثر کا نکھرا ہوا روپ ہے۔ جسے محمد حسین آزاد نے بامِ عروج پر پہنچایا۔ چنانچہ جذبات و محاکات نگاری کے علاوہ مکالمے بھی نہایت فطری انداز میں اسطرح پیش کیے گئے ہیں کہ ڈرامائیت کا عنصر پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً سکندر اعظم اور فیلقوس کے درمیان یہ مکالمہ ملاحظہ ہو:

’’فیلقوس اس کی سرکشی اور بدرکابی دیکھ کر سوداگر پر بہت خفا ہوا۔ اس وقت بے ساختہ سکندر کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ افسوس! کیا عمدہ گھوڑا بے تمیزی سے کھوئے دیتے ہیں۔ فیلقوس اس کی بات خیال نہ لایا۔ مگر جب بار بار اس کو یہی کہتے سنا تو اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ تو بڑوں پر طعن کرتا ہے اور اپنے تئیں ان سے بہتر سمجھتا ہے۔ سکندر نے کہا: بے شک اس گھوڑے کو قابو کرنے کی لیاقت تو ان سے زیادہ رکھتا ہوں۔ فیلقوس نے کہا: کہ اگر تجھ سے اس گھوڑے پر نہ چڑھا گیا تو بتا کیا ہاریگا؟ جواب دیا کہ گھوڑے کی قیمت۔۔۔‘‘ ۸

ہر چند کہ ’’قصص ہند‘‘ (حصہ اوّل) کوئی بلند پایہ تاریخی کتاب نہیں ہے کیونکہ اس میں تحقیقی اور مستند حوالے نہیں ہیں بلکہ وہی تاریخی واقعات ہیں جو دیگر تاریخوں میں پائے جاتے ہیں لیکن ماسٹر پیارے لال آشوب کا کمال یہ ہے کہ ان واقعات میں قصے کہانیوں کی سی دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ انہوں نے لاہور کی اُردو نثر میں تاریخ نگاری کے حوالے سے اس میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ اس سے قبل تاریخ نویسی پر جو کتابیں ۹ اُردو میں لکھی گئیں ان کا اسلوب خالصتاً علمی و تاریخی ہے جبکہ مولانا آزاد کے ساتھ ماسٹر پیارے لال آشوب نے بھی پہلے پہل تاریخ نگاری میں شگفتہ اسلوب اور دلچسپ انداز اختیار کیا۔

قصص ہند (حصہ دوم): محکمہ تعلیم کے لیے لکھی جانے والی کتب میں خاص اہمیت کی حامل تھی۔ جس میں غزنوی سلطنت کی ابتداء سے نادر شاہ کے حملے تک کے معدودے چند بادشاہوں کے کارنامے اور تاریخ کو قصے کہانی کی صورت میں بیان کیا ہے۔ ہر چند کتاب کا مقصد نوعمر طلباء کو اہم تاریخی مشاہیر سے روشناس کرانا تھا لیکن اس کے اسلوب کی دلکشی، سادگی اور پرکاری نے اسے دلچسپ ادبی نثر کی کتابوں میں صف اوّل میں لا کھڑا کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد صادق کا کہنا درست ہے:

’’اگلے وقتوں کی عجیب و غریب فضا انسانی فطرت کی سچی عکاسی، قصے کا قدرتی ارتقا، شگفتہ اور غیر ضروری آرائش سے پاک عبارت یہ باتیں ’’قصص ہند‘‘ کو اردو میں منفرد تصنیف بنا دیتی ہیں۔ آزاد کا لاابالی تخیل جو ان کی دوسری تصانیف میں خلل انداز ہوتا ہے یہاں اعتدال اور ضبط سے بروئے کار آیا ہے یہی سلجھا ہوا تخیل ہے جس نے اس کتاب کو فنی حیثیت سے اتنا وقیع بنا دیا ہے۔‘‘ ۱۰

اُردو نثر میں تاریخ نگاری کا آغاز کرنے والوں میں محمد حسین آزاد سرفہرست ہیں۔ لاہور میں اُردو تاریخ نگاری کی ترغیب تعلیمی ضرورت کے تحت ہالرائیڈ نے دلائی اور اس کو پیارے لال آشوب نے حصہ اوّل اور سوم جبکہ مولانا آزاد نے حصہ دوم کی صورت میں عملی جامہ پہنایا۔ قصص ہند حصہ اوّل اور حصہ دوم دونوں کتابیں ۱۸۷۲ء میں چھپ کر منظر عام پر آئیں۔ آشوب نے سیدھا سادا شستہ اور آزاد نے محاکاتی اسلوب اپنایا۔ جبکہ تخیل اور محاکات نگاری سے عمدہ کام لے کر آزاد نے

مسلمانوں کے عہد حکومت کے جن منتخب واقعات کو بیان کیا ہے ان کی تصاویر من وعن قاری کے سامنے آ جاتی ہیں۔ اس میں آزاد نے جو پیرایہ بیان اختیار کیا ہے تاریخ کی کتب کے لیے سقم قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ عام طور پر تاریخی کتب کے لیے مورخ ایسا اسلوب اختیار نہیں کرتا۔ آزاد نے ''قصص ہند'' طالب علموں کے لیے لکھی اور بحیثیت مدرس کے وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ وہ کون سا طریقہ کار ہو سکتا ہے جس کے ذریعے نوعمر طالب علم اُردو نثر میں پورے ذوق وشوق کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ دلچسپی سے کر سکتے ہیں۔ تاریخ جیسے خشک موضوع میں تاریخی شخصیات کی مرقع کشی اور واقعات میں تخیل اور محاکات کی گنجائش پیدا کر کے آزاد نے ''قصص ہند'' کی صورت میں ایک فلم چلا دی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آزاد محض واقعات کے مجموعہ کو تاریخ نہیں سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے تاریخ نویسی کا ایک نیا معیار مقرر کیا جس میں تحقیق، تجسس اور تنقیدی سے زیادہ جذباتی ردعمل بھی دکھائی دیتا ہے۔ جس سے تاریخی حقائق کے بیان میں شعریت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ آزاد کی کامیابی بھی ہے اور انفرادیت بھی جس میں ان کا کوئی حریف نہیں۔ ''قصص ہند'' میں داستانوی طرز انداز اپناتے ہوئے استعارے کے استعمال سے منظر نگاری میں بڑی بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ دلکشی و دلاویزی کا عنصر کس خوبصورتی سے پیدا کیا ہے ملاحظہ ہو:

> ''عمارت کی شان و شوکت دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ ستونوں پر گنبدی چھت۔ بیضۂ عنقا کی طرح دھری تھی کہ ہر ستون ایک ڈال سنگ مرمر کا تراشا ہوا تھا اور سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ پچی کاری کی گل کاری چین کے نقش و نگار مٹاتی تھی اور کندن کی ڈلک ستاروں پر آنکھ مارتی تھی۔ بیچوں بیچ میں ایک جڑاؤ زنجیر لٹکتی تھی۔ اس میں سونے کا چراغ دن رات دھڑ دھڑ جلتا تھا۔ خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا۔ جس کی قسمت میں آج کے دن اس آندھی سے گل ہونا لکھا تھا۔''[۱۱]

محمد حسین آزاد لفظوں سے شاعرانہ اسلوب میں مصوری کرتے ہوئے متحرک تصاویر بناتے چلے جاتے ہیں۔ ''قصص ہند'' کے کسی بھی صفحہ کا مطالعہ کریں یہ خصوصیت ہر جا نظر آئے گی۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہوں:

> ''ولی عہد چھپر کھٹ میں پڑا تھا۔ وزیرزادہ دوڑا آیا اور کہا لو میاں پروانے اٹھو تمہاری شمع نے آ کر محل کو روشن کر دیا۔ شہزادہ حیران ہو گیا۔ جب وزیرزادے نے قسم کھا کر کہا تو اٹھ کر اس کی پیشانی چوم لی اور کلاہ جواہر نگار جس پر ہما کے پروں کی کلغی لگی تھی تکیے پر سے اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دی۔''[۱۲]
>
> ''خدا کی قدرت ہے کہ وہ میدان جس میں صبح تک ابراہیم کا نقارہ بجتا تھا۔ خیمے سراچے، سراپردے کھڑے تھے نشان لہراتے تھے۔ بازار لگے تھے دوپہر تک ہو کا میدان ہو گیا اور زمین و آسمان سے بابر بابر کی صدا آنے لگی۔ جنہوں نے رستمی اور اسفند یاری کے دعوؤں سے تلواریں باندھی تھیں سب فنا ہو گئے اور جو بچے بھیس بدل بدل کر نکل گئے۔''[۱۳]

عالمگیری لشکر کی دکن روانگی کی دھوم دھام بیان کرتے ہوئے لفظوں سے رنگا رنگ متحرک تصویر بنانے کا ملکہ ملاحظہ ہو:

> ''غرض لشکر شاہی نے نشان چڑھایا اور دکن کو روانہ ہوا۔ سب سے پہلے ایک ہاتھی پر علم اژدھا پیکر پیچھے اس کے ہاتھیوں پر ہندوستان کا ماہی مراتب اپنی ولایت کے طوغ و علم، برنجی اور فولادی نقارے اور

دہا بے بعد ان کے ہزاروں ہاتھی ہودج عماری سے سجے سونڈوں میں فولادی زنجیریں لئے گلے میں ہیکلیں پیشانیاں شفق شام کی طرح رنگین اسی پر سنہری، روپہلی ڈھالیں، زربفت کی جھولیں پاؤں تک لٹکتی کسی پر ہودج، کسی پر عماری، ریشمی اور کلا بتونی رسّوں سے کسی، گردنوں پر مہاوت جن کے گلے میں زربفت کی کرتیاں، سروں پر جوڑے دار پگڑیاں، کمر میں کٹار، ایک ہاتھ میں گجباگ، ایک میں آنکس جھومتے جھامتے چلے جاتے تھے۔ آگے پیچھے چرکٹے سانٹے مار، بھالے بردار، برچھیت، باندار فتیلے سلگائے بھاگے جاتے تھے۔ پھر ہزاروں سواروں کے پرے سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے بہادر نوجوان ترک افغان، حبشی، راجپوت، دو دو تلواریں باندھے، فولادی خود سر پر دھرے کمر میں قرولی اور کٹار، پشت پر گینڈے کی ڈھال چار آئینے سجے، کہنیوں تک دستانے چڑھے ہاتھ میں سات گز کا برچھا، نگاہوں سے خون ٹپکتا، موچھوں کو تاؤ دیتے، گھوڑے اڑاتے چلے جاتے تھے پھر ہزاروں سانڈنیاں خوش رفتار کہ جن کے سو سو کوس کے دم، ان پر بانکے راجپوت لال لال پگڑیاں باندھے زرد انگرکھے پہنے، آبی بانات کے پاجامے چڑھائے ہتھیار لگائے مہاریں اٹھائے۔ جب یہ گذر گئے تو سواری کے خاص خاصے نظر آئے۔ عربی، ترکی، عراقی، یمنی، کاٹھیاواڑ کے دکنی چاندی سونے کے بھاری بھاری ساز کسی پر جڑاؤ زین دھرا کسی پر چارجامہ کسا۔ قچریاں اور پاکھریں پٹھوں پر پڑی ......جن میں قاقم وسمور کی جھالر کلابتوں کے پھندنے گلے میں سراگائے کی چوڑیاں لٹکتی سر پر کلغیاں طلائی اور نقرئی ریشمی باک ڈور میں سائیسوں کے ہاتھوں میں اِلیل کرتے اور چوکریاں بھرتے جاتے تھے۔''[۱۴]

محمد حسین آزاد کی قدرت بیان قصص ہند (دوم) میں ان کی دیگر کتب کی طرح اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے جس میں تصنع بناوٹ آرائش نظر نہیں آتی بلکہ عبارت کا پرشکوہ آہنگ، الفاظ کا دروبست، واقعات کی ترتیب میں نظم و ضبط اور رمز و کنائے سے پیدا ہونے والی قادر الکلامی اسے اُردو نثر کا بہترین شاہکار بنا دیتی ہے۔ اس حوالے سے ذیل کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''راجہ نے بھی باہر نکل خوب خوب مقابلے کیے۔ جان ہاروں نے ملک کے نام پر جانیں قربان کیں مگر کہاں تمام ہندوستان کا تاج دار کہاں چتوڑ کا باجگزار۔ جو ان جوان بیٹے آنکھوں کے سامنے مارے گئے۔ بڑے بڑے سردار کٹ گئے۔ جب سب سے آس ٹوٹ گئی تو ایک بیٹا باقی تھا۔ اسے بلا کر کہا کہ اے فرزند! جو کچھ یہاں ہم پر گذرے گی آثار اس کے نمودار ہیں۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے کسی طرف کو نکل جاؤ کہ نسل تو قائم رہے بعد اس کے پدمنی کو سامنے بلایا اور دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ ہر چند کہ وہ عورت تھی مگر بڑی رمز شناس تھی۔ اس نے اسی وقت صندل کی لکڑیاں منگا کر سات چتائیں چنوائیں۔ تمام خاندان کی عوارتیں اور بڑے بڑے ٹھاکروں اور سرداروں کی بیبیاں جو خاوندوں اور خاندان کے نام سے آگے جان کو کچھ مال نہ سمجھتی تھیں سب آئیں۔ سر سے پاؤں تک چادریں اوڑھے گھونگھٹ نکلے۔ پھولوں کی ایک ایک مالا گلے میں، رام رام کے سمرن کرتی چتاؤں کے گرد کھڑی ہوئیں اور خلقت کا ہجوم ہو گیا۔ جس وقت چتاؤں کو آگ دی اور شعلے بلند ہوئے دلوں سے دھوئیں اور خلائق سے ایک غل اٹھا۔ ہر ستونتی لاج کی ماری ایک ایک سے آگے بڑھتی تھی۔ اپنی آبرو اور مردوں کی

فتح کی دعا کرتی تھی اور پروانے کی طرح اس بھڑکتی آگ پر گر کر آن کی آن میں جل مرتی تھی۔
جب اس ہمت مردانہ سے کہ جس پر ہزار ہزار جوان مردوں کو صدقے کر ڈالیے عورتوں نے یہ سا کھا کیا تو سب کا دل زندگی سے بے زار ہو گیا۔ راجہ رہے سہے رفیقوں کو لے کر اوّل قلعے کے میدان میں کھڑا ہوا۔ دل غم سے پانی پانی تھا اور نگاہوں سے خون ٹپکتا تھا۔ مگر نہ آنکھ سے آنسو نکلتا تھا نہ منہ سے بات نکلتی تھی۔ بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے رخصت ہوا۔ سب سے آگے راجہ اور پیچھے تمام جانثار جن میں سپاہی اور سردار سب برابر رہے تھے۔ قلعے سے باگیں اٹھائے نکلے اور ان گنتی کی جانوں کی گٹھڑی کر کے لشکر شاہی کے دربار میں دے مارا۔‘‘۱۵؎

محمد حسین آزاد نے تخیل کو تعقل سے ہم آہنگ کرتے ہوئے جو خوبصورت پیرانہ بیان اختیار کیا ہے اس میں سادگی، رنگینی، تشبیہ، استعارہ، تلازمہ، تجسیم کاری اور الفاظ کا آہنگ، پر اثر بیان سبھی کچھ موجود ہے۔ جس نے ’’قصص ہند‘‘ کو ایک تمثیل کی حیثیت دے دی ہے۔ طریقہ درس و تدریس میں تصاویر ابلاغ کے ضمن میں اہم کردار ادا کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ابتدائی درسی کتب میں تصاویر سے مدد لی جاتی تھی۔ بیشتر درسی کتب باتصویر ہوا کرتی تھیں۔ محمد حسین آزاد کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے لفظوں سے پیکر تراشی کا کام اس خوبصورتی سے کیا کہ جیتی جاگتی، چلتی پھرتی تصاویر دکھا دی ہیں۔

غرض واقعات کا اچھوتے انداز میں بیان اور دلاویز اسلوب نگارش نے ’’قصص ہند‘‘ کو تصاویر کا خوبصورت مرقع بنا دیا ہے جو طلباء اور ادبی ذوق وشوق رکھنے والوں کے لیے معلومات کا سرمایہ اور حظ اٹھانے کا منبع ہے۔ تاریخ جیسے موضوع میں تعقل کے ساتھ تخیل کی کارفرمائی کی وجہ سے تاریخی حقائق کی تحقیق و تدقیق کا پہلو کہیں کہیں مجروح ہوا ہے مثلاً پدمنی اور علاؤ الدین کے فرضی قصہ، محمود غزنوی کو لٹیرا دکھانا ور راجپوتوں کے کردار کو مثالی بتانا وغیرہ اس کے باوجود آزاد نے اس کتاب میں ادب اور افادیت کو ہم آہنگ کر کے اسے ادبی نثر کا شاہکار بنا دیا ہے۔ ایسے میں آغا محمد باقر کا کہنا بالکل بجا ہے:

’’قصص ہند میں تاریخ ہند کے مشہور مشہور واقعات نہایت زوردار عبارت میں لکھے ہیں یہ کتاب طلباء میں بے حد مقبول ہے اس کے بے شمار ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ بچے اس دلچسپ واقعات سے لطف اُٹھاتے اور ادبی مذاق کے لوگ اس کی طرز تحریر کے عاشق ہیں جملوں کا توازن، عبارت کی چستی، الفاظ کی شان اور پر زور طرز تحریر سے اس کو تاریخی کتابوں میں نہایت ممتاز حیثیت حاصل ہے۔‘‘۱۶؎

قصص ہند حصہ دوم کے بارے میں عام طور پر ایک مغالطہ پایا جاتا ہے کہ یہ ایک تصنیفی مقابلے کے نتیجے میں وجود میں آئی جو کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ راقمہ نے اپنی تحقیقی اور تنقیدی جستجو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ’’قصص ہند‘‘ (حصہ دوم) کا اس مقابلے سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ کتاب مولانا آزاد سے تاریخ کی علمی درس و تدریس ک لیے لکھوائی گئی تھی۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ درسی کتب کے فروغ کے لیے ہالرائیڈ نے ایک انعامی مقابلے کے سلسلہ کا آغاز کیا۔ جو درحقیقت اُردو نثر ہی کے فروغ کا باعث بنا۔ خطبات گارساں دتاسی ہی سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۶۸ء کے اوائل میں ہالرائیڈ نے یہ اعلان کیا کہ ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کو اُردو تصانیف کا ایک مقابلہ عمل میں آئے گا۔ ۱۷؎ اعلان کے مطابق چار مختلف موضوعات پر بہترین تصانیف لکھ کر اوّل، دوم، اور سوم انعامات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اوّل آنے پر ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان کیا گیا

تھا۔موضوعات درج ذیل تھے:

۱۔ عام اصول صرف ونحو
۲۔ فارسی صرف ونحو
۳۔ تاریخ ہند سے متعلق ایسی کہانیاں جن میں اہم واقعات اور مشاہیر کے مفصل حالات کا تذکرہ کیا گیا ہو
۴۔ اقلیدس کے ایک حصہ کا اُردو ترجمہ

یہ انعامی مقابلہ مندرجہ ذیل دو نکات کے ساتھ مشروط تھا:

اوّل: تصانیف کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہو۔اس کے لیے حتی المقدور عربی، فارسی تراکیب محاورات کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔

دوم: منتخب ہونے والی تصانیف محکمہ تعلیم کی ملکیت شمار کی جائیں گی نیز محکمہ کو حق ہوگا کہ وہ انہیں ضروری تغیر وتبدل کے ساتھ طباعت کے زیور سے آراستہ کرے۔

اس اقدام کے نتیجے میں فلر اور بعد ازاں ہالرائیڈ کی سرپرستی اور خصوصی دلچسپی کی بناء پر مولوی کریم الدین، پیارے لال آشوب، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، موتی لال، مولوی ضیاء الدین وغیرہ کی کاوشوں سے جو درسی اور تعلیمی نثری کتب وجود میں آئیں ان کی تفصیلات میں جانے سے قبل ان دستیاب کتب کا ذکر کرتے ہیں جو ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کو ہالرائیڈ کے اعلان کے ردعمل میں ظہور میں آئیں۔اس ضمن میں تین فارسی، قواعد جبکہ دو قصے مذکورہ معیار پر پورا اترے جن کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ ''جامع القواعد فارسی'' مصنفہ مولوی کریم الدین ۱۸
۲۔ ''اصول فارسی'' مصنفہ مولانا الطاف حسین حالی ۱۹
۳۔ ''فارسی قواعد'' مصنفہ مولانا محمد حسین آزاد ۲۰
۴۔ ''کنز الفوائد'' مصنفہ مولوی سعید احمد دہلوی ۲۱
۵۔ ''خیالات کلیان بہ موسوم بہ مراۃ العقل'' مصنفہ منشی کلیان رائے ۲۲

اس مقابلہ ہی کے ضمن میں ''قصص ہند'' (حصہ دوم) مصنفہ محمد حسین آزاد کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے جو کہ مضمون نگار کے خیال میں درست نہیں ہے۔''قصص ہند'' کا کم ازکم اس مقابلے سے تعلق نہیں رہا لہذا یہاں اب تک پائی جانے والی اس غلط فہمی کو دور کرنے اور شواہد اور دلائل کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہوئے درست حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کی جائے گی کیونکہ اس بارے قطعی اور حتمی بات کہیں بھی نہیں ملتی۔

ڈاکٹر اسلم فرخی کے مطابق اُردو کتب میں محمد حسین آزاد کی اُردو نثری تصنیف ''قصص ہند'' (حصہ دوم) بھی انعام کی حقدار قرار پائی لیکن اس پر کتنا انعام ملا اس بارے میں کچھ شواہد نہیں دیئے اور یہ کہ مذکورہ کتاب انعامی موضوعات کے سلسلہ نمبر ۳ سے متعلق ہے جو ۱۸۶۹ء میں مکمل ہوئی۔''قصص ہند'' تاریخ سے متعلق کہانیوں اور اہم واقعات و مشاہیر کے تفصیلی حالات سے متعلق لکھی جانے والی نصابی کتب میں سے ایک تھی۔''قصص ہند'' کی دستیاب قدیم اشاعت (۱۸۷۲ء) کو پیش نظر رکھیں تو سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

قصص ہند

حصہ دوم

پنجاب کے سررشتہ تعلیم میں تالیف ہو کر لاہور کے سرکاری مطبع میں چھاپا گیا۔

۱۸۷۲ء

اس سررشتہ کی بے اجازت کوئی نہ چھاپے

تعداد جلد ۱۴۰۰

شروع ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۷۱ء ختم ۲۵ جولائی سنہ ۱۸۷۲ء'' ۲۳؎

اب ذرا اس کے سن تصنیف کے حوالے سے مختلف بیانات ملاحظہ ہوں۔ جن میں ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند'' میں اس کا سن تصنیف ۱۸۶۸ء لکھا ہے۔ ۲۴؎ ڈاکٹر محمد صادق بھی ''محمد حسین آزاد احوال و آثار'' میں ۱۸۶۸ء ہی سے متفق ہیں۔ ۲۵؎ جبکہ ڈاکٹر اسلم فرخی اس کا سن تحریر ۱۸۶۹ء اور اشاعت ۱۸۸۳ء بتاتے ہیں۔ ۲۶؎ ساتھ ہی یہ کہ کتاب ''مقابلے'' میں ایک مضبوط امیدوار کے طور پر شامل رہی۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ بھی ڈاکٹر اسلم فرخی کے دیئے گئے سن تصنیف سے متفق دکھائی دیتے ہیں اور اپنے مضمون ''قصص ہند کا قضیہ'' میں اس کے مکمل ہونے کا سن ۱۸۶۹ء لکھتے ہیں۔ ۲۷؎ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے مذکورہ سن ڈاکٹر اسلم فرخی اور سرورق سمیت دیگر معلومات خلیل الرحمٰن داؤدی کی مرتب کردہ ''قصص ہند'' مجلس ترقی ادب سے لی ہیں جس کا حوالہ حواشی میں موجود ہے لیکن وہ ان بیشتر معلومات کا تذکرہ حوالے کے بغیر ایسے کرتے ہیں جیسے یہ معلومات خود ان کی کاوش کا نتیجہ ہیں جو تحقیق کی اخلاقیات کے منافی ہے۔

مقالہ نگار خلیل الرحمٰن داؤدی کے دیئے گئے سرورق کی عبارت سے متفق ہے کہ کتاب ۱۸۷۲ء میں ۱۸۸ صفحات پر مشتمل پہلی بار اشاعت کے مرحلے سے گذری اور یہ کہ اس کے سن تصنیف کا زمانہ ۱۸۷۲ء ہے لیکن اس پر مولانا محمد حسین آزاد کا نام نہیں دیا گیا۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ کتاب مولانا محمد حسین آزاد کی ہی تصنیف کردہ ہے لالہ سری رام ''خمخانہ جاوید'' میں لکھتے ہیں کہ ''کرنل ہالرائیڈ صاحب ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے جناب آزاد سے قصص ہند کا دوسرا حصہ لکھوایا جو مصنف کی اعلیٰ زباندانی و لیاقت کی شہادت دے رہا ہے۔'' ۲۸؎

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے مطابق ابتدائی دو طباعتوں ۱۸۷۲ء کے علاوہ ۱۸۷۳ء پر بھی محمد حسین آزاد کا نام بطور مصنف درج نہیں ۲۹؎ لیکن اس ضمن میں کوئی دلیل یا حوالہ نہیں دیا۔ جبکہ ڈاکٹر اسلم فرخی کے مطابق حصہ دوم کی اشاعت اوّل پر آزاد کا نام بھی درج نہیں تھا لیکن بعد کے ایڈیشن میں ان کا نام درج ہو گیا۔ ۳۰؎ یہ بعد کا ایڈیشن کونسا تھا اس کی نشاندہی وہ بھی نہیں کرتے۔ اس بیان کی روشنی میں ۱۸۷۳ء کے ایڈیشن پر مولانا آزاد کا نام درج تھا۔ قصص ہند کی دوسری اشاعت یعنی ۱۸۷۳ء پر ''انڈین میل'' بتاریخ ۳ فروری ۱۸۷۳ء میں اس پر تبصرہ شائع کیا جسے گارساں دتاسی نے بنیاد بنا کر اپنے مقالہ ''ہندوستانی زبان و ادب ۱۸۷۳ء میں'' میں لکھا ہے کہ ''لاہور کالج کے مولوی محمد حسین آزاد نے محکمہ تعلیمات پنجاب کی سرپرستی میں قصص ہند کا دوسرا حصہ پیش کیا ہے جس میں اہم ترین شخصیتوں کے حالات حکایات کے طور پر بیان کیے ہیں اور رشتہ پیرائے میں سچی اور بہت اچھی اُردو میں قلمبند کیے ہیں۔ ۳۱؎ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۷۳ء میں جو اشاعت ہوئی ہو گی اس پر آزاد کا نام ضرور درج ہو گا

کیونکہ اس کے بغیر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ''مولوی محمد حسین نے محکمہ تعلیمات کی سر پرستی میں قصص ہند کا دوسرا حصہ پیش کیا'' پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مقابلہ کے لئے نہیں بلکہ محکمہ تعلیم کی سر پرستی میں لکھا گیا۔ مقالہ نگار کی دسترس میں ۱۸۷۳ء کی اشاعت نہیں آ سکی لیکن دتاسی کے مذکورہ بیان سے تصدیق ہوتی ہے کہ اس اشاعت پر آزاد کا نام درج تھا۔۱۸۷۲، ۱۸۷۳ء کے تذکرہ کے ساتھ ۱۸۷۸ء کی نویں اشاعت مضمون نگار کو میسر آئی جس پر مولانا محمد حسین آزاد کا نام درج ہے اس کی لوح کی عبارت اس طرح ہے:

قصص ہند

حصہ دوم

مرتبہ مولوی محمد حسین صاحب پروفیسر عربی لاہور

حسب الحکم

جناب میجر ہالرائیڈ صاحب بہادر ڈائریکٹر

مدارس ممالک پنجاب وغیرہ

لاہور کے سرکاری مطبع میں ماسٹر پیارے لال کیوریٹر کے

زیر اہتمام سے چھپی

۱۸۷۸ء

اس سررشتہ کی بے اجازت کوئی نہ چھاپے۔'' ۳۲

مضمون نگار کے مطابق غالباً یہی عبارت ''قصص ہند'' کے دوسرے ایڈیشن (۱۸۷۳ء) پر ہو گی اور ابتدائی اشاعت پر آزاد کا نام نہ ہونے کی وجہ یہ رہی ہو گی کہ چونکہ درسی کتب محکمہ تعلیم کی ملکیت تصور کی جاتی تھیں نیز محکمہ اس میں ضروری تغیر و تبدل کرنے کا بھی مجاز تھا اس لیے یہ محکمہ کی صوابدید پر تھا کہ وہ ان کتب کو جس طرح مرضی چھاپیں۔ پھر ۱۸۷۸ء کی اشاعت کے سرورق کے پیش نظر ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کا کہنا ہے کہ پہلی بار آزاد کا نام بطور مرتب کے شائع ہوا۔ درست نہیں رہتا کیونکہ دتاسی کے بیان کے مطابق ۱۸۷۳ء کی اشاعت پر آزاد کا نام درج تھا۔ دوسری طرف ۱۸۷۲ء، ۱۸۷۳ء اور ۱۸۷۸ء کے دستیاب شواہد سے ڈاکٹر اسلم فرخی کے اس بیان کی بھی نفی ہو جاتی ہے کہ ''قصص ہند۔ حصہ دوم (۱۸۶۹ء) میں لکھی گئی۔ ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی۔'' ۳۳

اس تمام بحث کی روشنی میں بعض تصریحات کی ضرورت ہے۔ ''قصص ہند'' اگر ۱۸۶۸ء میں ہونے والے اعلان کے مطابق ۱۸۶۸ء کی تصنیف مان لی جائے تو پھر اس کا ذکر گارساں دتاسی کے ۱۸۶۹ء کے خطبہ میں کم از کم ہونا چاہیے تھا کیونکہ دتاسی اپنے خطبات میں سال بھر میں چھپنے والی اہم تصانیف اور ان پر ملنے والے انعامات کا بالخصوص تذکرہ کیا کرتا تھا۔ گارساں دتاسی ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کو ہونے والے تصنیفی کتب کے مقابلے کے موضوعات کا ذکر تو کرتا ہے جس کے مندرجات کی تیسری شق سے قصص ہند مطابقت بھی رکھی ہے لیکن انعامی مقابلے میں شرکت اور انعام کے حوالے سے اس کتاب کا تذکرہ نہیں کرتا۔ قصص ہند کا اوّلین ذکر مقالات گارساں دتاسی (جلد اوّل) کے مقالہ ''ہندوستانی زبان و ادب ۱۸۷۳ء میں'' ملتا ہے۔ ۳۴ جبکہ اس سے قبل ۱۸۷۰ء، ۱۸۷۱ء، ۱۸۷۲ء کے مقالات میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔ اس لیے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ ''قصص ہند''

مقابلے کے مندرجات سے مطابقت رکھنے کے باوجود انعامی مقابلے کے لیے نہیں لکھی گئی اور نہ ہی اس پر انعام ملا۔ دتاسی کے مقالات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کے بعد بھی اُردو کتب کی تصنیف و تالیف کی حوصلہ افزائی کے لیے انعامات اور معاوضوں کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ۱۸۷۲ء کے مقالہ میں لکھتے ہیں: ''ہندوستانی میں کارآمد کتابیں تالیف کرانے کی ہر طرف ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کی ترقی تعلیم کے لیے جو انجمن قائم ہے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستانی زبان میں لکھنے والے مصنفین کو پانسو، تین سو اور ڈیڑھ سو روپے کی رقمیں ان کی کتابوں کے معیار اور ضخامت کے لحاظ سے بطور معاوضہ دی جائیں۔''۳۵ گارساں دتاسی اس ضمن میں مزید لکھتا ہے:

> ''حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ جو لوگ ہندوستانی زبان میں (اُردو میں یا ہندی میں) فلسفہ، تاریخ، سیاست یا سائنس وغیرہ پر کوئی کتاب تالیف کریں گے انہیں ان کی محنت کا معاوضہ دیا جائے گا۔ بشرطے کہ کتاب کا طرز بیان دلکش اور عام فہم ہو اس کی بھی اجازت ہوگی کہ کتاب نظم میں لکھی جائے یا نثر میں۔ اگر کوئی چاہے تو ایسے موضوع پر قلم اٹھائے جو بالکل خیالی ہو بشرطے کہ اس میں کوئی بات ایسی نہ آنے پائے جو اخلاقی نقطۂ نظر سے گری ہوئی ہو یا فرقہ وارانہ اغراض کے لیے لکھی گئی ہو۔ ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۲ء میں ہندی اور اُردو کی ۲۲ کتابیں کمیشن نے پسند کیا جو خاص اس غرض کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ ان کتابوں کے مصنفین کو ۸ مئی ۱۸۷۲ء الہ آباد میں لیفٹیننٹ گورنر نے انعامات تقسیم کیے۔ بعض نے معقول رقمی معاوضہ قبول کیا۔ بعض نے اپنی کتاب حکومت کے خرچ پر طبع کرانے کی خواہش ظاہر کی اور بعض نے یہ کہ ان کتابوں کے نسخوں کی ایک خاص تعداد حسب ضرورت حکومت مدارس کے لیے خرید لے۔''۳۶

اس حوالے سے گارساں دتاسی نے جن چند کتابوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں قصص ہند کا ذکر نہیں ملتا۔ چنانچہ قصص ہند نہ تو کسی مقابلے کے لیے اور نہ ہی انعام کی غرض سے لکھی گئی۔ بالفرض یہ مان لیا جائے کہ یہ ۱۸۶۹ء میں مکمل ہوئی تو اس کا ذکر دتاسی کے ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۱ء کے مقالات میں نہ سہی ۱۸۷۲ء کے اس مقالہ میں تو ''قصص ہند'' کا ذکر آنا چاہئے تھا جس میں بہترین کتابوں پر حکومت کی طرف سے ۸ مئی ۱۸۷۲ء کو انعامات دیئے گئے اور اگر ۱۸۶۹ء میں کتاب مکمل ہو بھی چکی ہو تو اس کے ۱۸۷۲ء میں چھپنے کی کیا وجوہ تھیں۔ جبکہ مطابع کے قیام سے مکمل ہونے کے بعد بروقت طباعت کا مسئلہ بھی نہ رہا تھا۔ حکومت تو ایسی کتابوں کو اپنی سرپرستی میں شائع کراتی تھی۔ اس پہلو پر کسی بھی صاحب الرائے نے روشنی نہیں ڈالی۔ لہٰذا ۱۸۷۲ء کی اشاعت کے سرورق پر یہ جملہ ''شروع ۲۵ دسمبر ۱۸۷۱ء ختم ۲۵ جولائی ۱۸۷۲ء'' درست معلوم ہوتا ہے جو سال تصنیف اور سال اختتام کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان نکات کی بناء پر مضمون نگار یہ نتائج اخذ کرتی ہے:

۱۔ ''قصص ہند'' حصہ دوم کسی مقابلے کے لیے نہیں لکھی گئی۔ اس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب ''قصص ہند'' (حصہ اوّل) مصنفہ پیارے لال آشوب بھی تاریخ کے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ اس کا پہلا سن اشاعت بھی ۱۸۷۲ء ہے لیکن جہاں کہیں بھی کسی مقابلے یا انعام کا تذکرہ آتا ہے وہاں اس کا تذکرہ بھی نہیں ملتا۔ چنانچہ قصص ہند حصہ اوّل پیارے لال آشوب کو اور حصہ دوم محمد حسین آزاد کو لکھنے کے لیے تفویض کیا گیا۔ ۳۷ دونوں کتابیں پہلی بار ۱۸۷۲ء میں چھپ کر منظر عام پر آئیں۔ نیز یہ معمول کی درسی و تدریسی ضروریات کے پیش

نظر لکھوائی گئیں۔ کسی انعام یا مقابلے سے ان کے کسی تعلق کے شواہد نہیں ملے۔

۲۔ مقالہ نگار کا استدلال ہے کہ ''قصص ہند'' کے موضوع اور اسلوب بیان کا مطالعہ کریں تو اس کا متن اس بات کی دلیل ہے کہ اگر یہ کسی انعامی مقابلے کی غرض سے لکھی گئی ہوتی تو یقیناً انعام کی حقدار قرار پاتی اور اس کا تذکرہ دیگر انعام یافتہ کتب میں ضرور کیا جاتا کیونکہ اس عرصہ میں محمد حسین آزاد محکمہ تعلیم کے افسران پر اپنی علمیت کی دھاک بیٹھا چکے تھے لیکن اس کے باوجود مقابلے اور انعام کے حوالے سے ایسا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہو سکا۔ لہٰذا اس سے بھی یہ خیال تقویت پاتا ہے کہ ''قصص ہند'' محکمہ تعلیم کی درسی ضروریات یعنی طلباء کو تاریخی معلومات بہم پہنچانے کے لیے تحریر کی گئی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے محکمہ تعلیم کے انگریز افسران نے اعلیٰ اذہان اور صلاحیتوں کے مالک قابل اور تجربہ کار احباب کو محکمہ تعلیم میں ملازمت پر مامور کیا ہوا تھا۔

۳۔ قصص ہند ۲۵ جولائی ۱۸۷۲ء کو مکمل ہونے کے بعد اسی سال پہلی بار شائع ہوئی اس لیے اس کا تذکرہ گارساں دتاسی نے بھی اپنے ۱۸۷۳ء کے مقالہ میں کیا ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے مطابق ''پنجاب گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۸۷۲ء میں قابل فروخت مطبوعہ کتب کی فہرست میں قصص ہند حصہ اوّل و دوم دونوں دستیاب تھیں۔''[۳۸] نیز مقالہ نگار کو پنجاب گزٹ بتاریخ ۹ اپریل ۱۸۷۴ء کی جو فہرست کتب دستیاب ہوئی ہے اس میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ یہ بھی دلیل ہے کہ ۱۸۷۳ء میں بھی ''قصص ہند'' چھپی ہوگی۔

۴۔ محمد حسین آزاد نے یہ کتاب ڈائریکٹر مدارس ممالک پنجاب میجر ہالرائیڈ کے حکم سے محکمہ تعلیم کی سرپرستی میں لکھی۔ جس کی تصدیق سرورق کے علاوہ لالہ سری رام اور گارساں دتاسی کے بیان سے ہوتی ہے۔

۵۔ یہ کتاب محکمہ تعلیمات پنجاب کی سرپرستی میں لاہور کے سرکاری مطبع سے چھپی۔

۶۔ نصابی کتب کے سلسلہ میں بے حد مقبول درسی کتاب تھی۔

۷۔ کتاب کی ایک اور اشاعت ۱۸۷۶ء کا تذکرہ دتاسی کے مقالہ ۱۸۷۶ء میں بھی ملتا ہے۔

۸۔ کتاب کا موضوع ''تاریخ'' ہے جس کو قصے کہانی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ غالباً یہی محققین کے لیے اس مغالطے کی وجہ رہی ہے کہ کتاب ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کے مقابلے کے لیے دیئے جانے والے مندرجات کی تیسری شق سے مطابقت رکھنے کی بناء پر اس مقابلے کے لیے لکھی گئی ہوگی۔

۹۔ کتاب ''قصص ہند'' تاریخ اور تخیل کے امتزاج سے واقعات کو عمدگی اور بہترین اسلوب میں بیان کرنے کے باوجود اس پر کسی انعام کا تذکرہ نہیں مل سکا۔

۱۰۔ ''قصص ہند'' چونکہ تین مختلف حصوں پر مشتمل ہے جس کا حصہ اوّل اور سوم پیارے لال آشوب کیوریٹر پنجاب بک ڈپو کا تحریر کردہ ہے اور حصہ دوم محمد حسین آزاد کی تحریر ہے اس لیے ان تینوں حصوں کو بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ میجر ہالرائیڈ نے تاریخ کے موضوع پر ان سے یہ کتابیں لکھوائیں یوں انہیں فرمائشی کتب کہا جائے گا۔ جس میں ہندوؤں کی تاریخ، اسلامی تاریخ، اور انگریزی تاریخ کی صورت تینوں اقوام کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ تینوں حصے گو کہ مربوط و مفصل تاریخ پر مبنی نہیں ہیں بلکہ صرف چنیدہ بادشاہوں کے کارناموں کو تاریخی قصوں کی صورت میں

اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ طالب علموں کا تاریخ اور تاریخی مشاہیر سے ایک بھرپور تعارف ہو سکے تاکہ ان میں تاریخ سے آشنائی اور دلچسپی کا عنصر پیدا ہو جائے اور یہی اس کتاب کا اصل مقصد تحریر تھا۔

۱۱۔ ''قصص ہند'' (حصہ دوم) کی زبان سادہ اور عام فہم ہے جس میں فارسی الفاظ اور تراکیب کم استعمال ہوئی ہیں۔

۱۲۔ کتاب پر مرتب کا لفظ اس لیے لکھا گیا کہ تاریخی واقعات اور مشاہیر کا تذکرہ تاریخی کتب میں پہلے سے موجود ہے لیکن محمد حسین آزاد نے کہانی کی طرز پر انہیں اپنے منفرد اسلوب میں ترتیب دیا ہے۔

قصص ہند (حصہ سوم): تاریخ کے موضوع پر قصص ہند کا یہ تیسرا حصہ انگریزی سے چنیدہ تاریخی کتب سے ماخوذ تراجم پر مبنی ہے۔ جس میں لارڈ کلائیو سے سر ہنری لارنس اور نکلسن تک کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ اس کے سرورق کی عبارت اس طرح تحریر کی گئی ہے:

قصص ہند

حصہ سوم

مرتبہ مترجمان سررشتہ تعلیم پنجاب

حسب الحکم

جناب میجر ہالرائڈ صاحب بہادر

ڈائرکٹر مدارس ممالک پنجاب، لاہور

کے سرکاری مطبع میں ماسٹر پیارے لال آشوب کے اہتمام سے چھپا ۱۸۷۵ء[۳۹]

''قصص ہند'' (حصہ سوم ۱۸۷۵ء) اس کی اوّلین اشاعت ہے کیونکہ اس سے قبل اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس حوالے سے ۹ اپریل ۱۸۷۴ء کے پنجاب گزٹ میں ۱۵ مارچ ۱۸۷۴ء تک چھپنے والی کتب کی فہرست میں بھی اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی بار اس کی اشاعت ۱۸۷۵ء ہی میں عمل میں آئی۔ اس حصے کے سرورق پر ''مترجمان'' سے احساس ہوتا ہے کہ اس حصے کی ترتیب میں سررشتہ تعلیم کے مترجمین نے حصہ لیا ہوگا۔ لالہ سری رام نے ''خمخانۂ جاوید''، مولوی عبد الحق نے، ''مرحوم دلی کالج''، دتاتریہ کیفی نے ''دلی کالج اُردو میگزین نمبر'' اور امداد صابری نے ''حیات آشوب'' میں ''قصص ہند'' (حصہ سوم) کو پیارے لال آشوب ہی سے منسوب کیا ہے۔ جبکہ خلیل الرحمٰن داؤدی نے قصص ہند کو مرتب کرتے ہوئے اس کے تعارف میں بغیر کسی دلیل کے اسے پیارے لال آشوب کی تالیف تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کتاب میں کوئی دیباچہ یا پیش لفظ نہیں ہے۔ جس سے اس کے مترجمان کی وضاحت ہو سکے۔ چونکہ یہ خالصتاً آشوب کی تالیف نہیں ہے اس لیے جب وہ اپنی تصنیف و تالیف کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں قصص ہند (حصہ سوم) کا ذکر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں'' ایک ماہوار رسالہ جس میں مضامین علمی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ جاری کیا اس کا نام اتالیق پنجاب رکھا گیا۔ جب تک میں ڈاکٹر صاحب کے دفتر میں ترجمے کے کام پر مامور رہا اسی رسالے کا اہتمام کرتا رہا اور نیز یہ کتابیں لکھیں۔ (۱) اُردو کی تیسری کتاب (۲) قصص ہند حصہ اوّل (۳) تاریخ انگلستان (۴) تاریخ زمانہ قدیم (۵) جغرافیہ طبعی وغیرہ''[۴۰] مضمون نگار کا استدلال ہے کہ اگرچہ اس پر کسی نام کی صراحت نہیں کی گئی لیکن شواہد پیارے لال آشوب ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کیونکہ

پیارے لال آشوب دہلی کالج کے پروردہ، فارسی اور اُردو کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ اسی لیے ان کو دلی سے لاہور لایا اور خاص طور پر پنجاب بک ڈپو میں کیوریٹر کے عہدے پر تعینات کیا گیا۔ جو ان کی قابلیت اور صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہر چند کہ انگریز حکام بہت سے احباب کو یو۔ پی سے لاہور لائے لیکن اس عہدے کے لیے آشوب کے علاوہ کوئی دوسرا شخص موزوں نہ تھا کیونکہ آشوب انگریزی زبان پر دسترس رکھتے تھے اور پنجاب بک ڈپو میں کتابوں کا ترجمہ کرنے کے علاوہ پنجاب ہائیکورٹ کے ہیڈ مترجم کی حیثیت سے دستاویزات کے اُردو ترجمہ کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ ۱۸۷۲ء میں ''تاریخ انگلستان کلاں'' کا بھی انگریزی سے اُردو ترجمہ کر چکے تھے۔ ان کی انگریزی دانی کے حوالے سے اخبار ''پنجابی'' ۲۴ اگست ۱۸۶۹ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ '' ماسٹر صاحب کی لیاقت انگریزی ماشاء اللہ وہ ہے کہ سینکڑوں اسناد میں حکام انگریزی نے صاف لکھا ہے کہ سینٹوں میں اس لیاقت و استعداد کا انگریزی داں ہم نے نہیں دیکھا''۔ [۴۱] لہٰذا گمان گزرتا ہے کہ پیارے لال آشوب اس وقت سررشتہ تعلیم سے وابستہ تھے۔ ان کے ساتھ جو دیگر مترجمین شامل رہے ہوں گے ان میں آشوب کا کردار بنیادی رہا ہوگا۔ چونکہ اس کام میں سررشتہ تعلیم کے دوسرے مصنفین بھی شریک تھے اس لیے قصص ہند (حصہ سوم) پر آشوب نے اپنا نام نہیں لیا اور نہ ہی اسے اپنی تصانیف کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ مقالہ نگار کے خیال میں مترجمان میں دوسرا نام خواجہ ضیاء الدین کا ہوسکتا ہے کیونکہ ان کی ''قواعد اُردو'' کے دوسرے اور تیسرے حصہ میں آشوب کی ''اُردو کی تیسری کتاب'' بھی شامل تھی اور اس میں خواجہ ضیاء الدین نے پرندوں کے حالات انگریزی سے اُردو ترجمہ کیے تھے۔ نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

> ''منٹگمری صاحب سابق لیفٹنٹ گورنر بہادر لکھتے ہیں کہ ہنری لارنس اور نکلسن ہندوستان میں اپنا مثل نرکھتے تھے۔ اگر نکلسن جیتا رہتا تو ہندوستان کا سپہ سالار ہوتا۔ چستی چالاکی۔ جانفشانی۔ پیش بینی۔ فکر صائب اور پرلے درجہ کی بہادری جتنی خوبیاں فتح مند سپہ سالاروں میں ہونی چاہیں اسکی ذات میں سب جمع تھیں۔ مشکل کو مشکل اور خطرہ نہ جانتا تھا۔ جس قدر میں نے اس کو زیادہ دیکھا اسی قدر زیادہ اچھا پایا۔ سرحد کے علاقوں میں انگریزی عملداری کا سکہ بٹھانے میں اس نے وہ کچھ کیا ہے کہ کسی سے نہ ہوگا اور پنجاب میں وہ نام پایا ہے کہ کبھی کوئی نہ پایگا''[۴۲]

چنانچہ میجر فلر اور بعد ازاں میجر ہالرائیڈ کی سرپرستی میں تصنیف و تالیف کے مرحلے سے گزرنے والی ان درسی اور نصابی کتب سے جہاں تعلیمی ضروریات پوری ہوئیں وہیں اُردو نثر میں بے بہا اضافہ ہوا۔ اسی ذریعے سے اُردو نثر کو ادبی نثر کا درجہ بھی ملا۔ یہ بالکل ایسا ہی معاملہ تھا جیسے فورٹ ولیم کالج میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کو اُردو سیکھانے کے لیے نصاب کی ضرورت کو تراجم سے پورا کیا گیا اور اُردو نثر کو فروغ مل گیا۔ ویسے ہی لاہور میں محکمہ تعلیم کے تحت انگریزوں نے مقامی لوگوں پر اپنا اعتماد اور اعتبار جمانے اور انہیں اپنا ہمنوا کے لیے پنجاب بک ڈپو کی صورت میں علمی تراجم کی روایت کو مستحکم کیا تو ساتھ ہی جدید اور سائنٹفک اصولوں کے پیش نظر درسی کتب لکھوائیں چونکہ اس وقت تک فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج اور دیگر انفرادی کاوشوں کی وجہ سے اُردو نثر اتنی ترقی کر چکی تھی اور اس کا دامن اس قدر وسیع ہو چکا تھا کہ اب اس میں نصابی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے درسی کتب لکھوائی جاتیں۔ یہ وہ وقت تھا جب لاہور میں اُردو زبان شعروشاعری کے دائرے سے آگے بڑھ کر نثر کی صورت میں باقاعدہ تعلیم وتصنیف کا ذریعہ بن رہی تھی۔

حواشی:

۱۔ یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس کی لائبریری میں موجود ہے۔

۲۔ یہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

۳۔ آشوب، پیارے لال: ''قصص ہند'' (حصہ اوّل) لاہور، مفید عام پریس، ۱۹۱۹ء، ص: ۳۲

۴۔ ایضاً، ص: ۵۲

۵۔ ایضاً، ص: ۵۸ تا ۶۰

۶۔ ایضاً، ص: ۳

۷۔ ایضاً، ص: ۴۴-۴۵

۸۔ ایضاً، ص: ۵۲

۹۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو راقمہ کا مضمون ''لاہور میں اُردو تاریخ نویسی'' (انیسویں صدی کے نصف دوم میں) مشمولہ ''خیابان''، پشاور یونیورسٹی، پشاور، ۲۰۱۳ء۔

۱۰۔ محمد صادق، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد احوال و آثار''، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل نومبر ۱۹۷۶ء، ص: ۱۶۱

۱۱۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''قصص ہند'' (حصہ دوم)، لاہور، پبلشرز منشی گلاب سنگھ، ۱۹۴۱ء، ص: ۱۸

۱۲۔ ایضاً، ص: ۴۴

۱۳۔ ایضاً، ص: ۵۹

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۴۱-۱۴۲

۱۵۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''قصص ہند'' لاہور، بک ٹاک، ۲۰۰۶ء، ص: ۳۶-۳۷

۱۶۔ آغا محمد باقر: ''تاریخ نظم و نثر اُردو''، لاہور، شیخ مبارک اینڈ سنز، ۱۹۵۰، ص: ۹۳

۱۷۔ اس قسم کے اعلانات بعد میں بھی کیے جاتے رہے۔ مثلاً حکومت کی جانب سے فلسفہ تاریخ سیاست یا سائنس پر دلکش طرز زبان اور عام فہم کتاب تالیف کرنے پر معاوضہ کا اعلان کیا گیا۔ (ہندوستانی زبان و ادب ۱۸۷۲ء'' مشمولہ مقالات گارساں دتاسی'' ص ۲۰۶) ایسا ہی ایک انعامی مقابلے کا اعلان عیسائی ادب کی اشاعت کے لیے بھی کیا گیا۔ ملاحظہ ہو (''ہندوستانی زبان و ادب ۱۸۷۳ء'' مشمولہ مقالات گارساں دتاسی، (جلد اوّل)، ص: ۳۲۱)

۱۸۔ یہ کتاب درجہ اوّل پر رہی اور ہزار روپے انعام کی حقدار قرار پائی۔ (مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ''صحیفہ'' شمارہ نمبر ۴۰، جولائی ۱۹۶۷ء)

۱۹۔ یہ کتاب بھی ۱۸۶۸ء میں انعام کی غرض سے لکھی گئی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''حالی کی اُردو نثر نگاری'' مصنفہ ڈاکٹر عبدالقیوم، ''حالی کا ذہنی ارتقا'' مصنفہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان۔

۲۰۔ مولانا محمد حسین آزاد کو اس پر دو سو روپے کا انعام ملا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''محمد حسین آزاد حیات و تصانیف''

مصنفہ ڈاکٹر اسلم فرخی، 'اور'راوی'' آزاد نمبر ۱۹۸۳ء
۲۱۔ ایک اصلاحی تمثیلی قصہ ہے جس پر مولوی سید احمد دہلوی کو بھی انعام دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو، خطبات گارساں دتاسی)
۲۲۔ سفرنامہ کے انداز میں لکھا گیا تمثیلی قصہ جس پر سو روپے کا انعام ملا ۱۸۷۰ء میں چھپا (ملاحظہ ہو''اُردو ناوّل کا ارتقا'' مصنفہ ڈاکٹر عظیم الشان صدیقی)
۲۳۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''قصص ہند'' (مرتبہ) خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور، مجلس ترقی ادب، سن ندارد
۲۴۔ فیاض محمود، سید: عبادت بریلوی، ڈاکٹر (مرتبین) ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند'' (نویں جلد) لاہور، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۷۲ء، ص: ۳۱۵
۲۵۔ محمد صادق، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد احوال و آثار''، ص: ۴۶
۲۶۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد حیات وتصانیف'' کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۵ء، ص: ۶۰۷
۲۷۔ حامد بیگ، مرزا، ڈاکٹرا: ''قصص ہند کا قضیہ'' مضمون مشمولہ تحقیقی مجلّہ ''الماس'' شعبہ اُردو شاہ عبدالطیف یونیورسٹی خیر پور، سندھ، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۴۷
۲۸۔ سری رام، لالہ، ''خمخانۂ جاوید'' (جلد اوّل) دہلی، مخزن پریس، ۱۳۲۵ء، ص: ۳۳
۲۹۔ حامد بیگ، مرزا، ڈاکٹر: ''قصص ہند کا قضیہ'' مشمولہ تحقیقی مجلّہ ''الماس''، ص: ۲۴۷
۳۰۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر: محمد حسین آزاد ''حیات وتصانیف''، ص: ۶۱۵
۳۱۔ گارساں دتاسی، ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد اوّل)، کراچی، انجمن ترقی اُردو، ۱۹۶۴ء (طبع دوم) ص: ۳۲۴
۳۲۔ یہ اشاعت پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔
۳۳۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد حیات وتصانیف''، ص: ۶۰۷
۳۴۔ ملاحظہ ہو''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد اوّل)، ص: ۳۲۴
۳۵۔ ایضاً' ص: ۲۰۵
۳۶۔ ایضاً' ص: ۲۰۶
۳۷۔ ''خمخانۂ جاوید'' سے پتہ چلتا ہے کہ محمد حسین آزاد ۱۸۶۴ء میں محکمہ تعلیم کے دفتر میں پندرہ روپے ماہوار پر ملازم ہوئے بعد ازاں ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم میجر فلر کے بعد کرنل ہالرائیڈ نے قدردانی فرما کر ان کا مشاہرہ ۷۵ روپے کر دیا تھا۔ چنانچہ تصنیف وتالیف اور نظر ثانی کے فرائض انجام دیتے رہے اسی لیے ان کی بیشتر کتابیں محکمہ تعلیم کی علمی ضروریات کا نتیجہ ہیں۔
۳۸۔ تحقیقی مجلّہ ''الماس'' شعبہ اُردو شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور سندھ ۲۰۰۳ء، ص: ۲۴۶
۳۹۔ یہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے اور مضمون نگار کے پیش نظر رہا۔
۴۰۔ نقوش، آپ بیتی نمبر ۱۰۰، لاہور، جون ۱۹۶۴ء، ص: ۵۷۰
۴۱۔ امداد صابری: ''حیات آشوب'' دہلی، پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۵۶ء ص: ۱۲۲
۴۲۔ مصنف نامعلوم ''قصص ہند'' (حصہ سوم)، لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۷۵ء، ص: ۴۰۷